تیقّنِ آخرت اور کربلا

میثم عصر سید فیروز حیدر عابدی صاحب نوگانواں سادات

کسی ایسے اسکول کا تصور کیجئے جس میں طلباء کے لئے تمام سامان آسائش مہیا ہوں۔ اسباب لہو و لعب موجود ہوں۔ تفریح وکھیل کے انتظامات کئے گئے ہوں۔ کتب خانے میں مطالعہ کے لئے کتابیں ہیں، اور تجربہ گاہیں بھی موجود ہیں۔ لیکن ادارہ میں نہ کوئی نگراں ہے نہ معلم ہے نہ مدرس نہ ممتحن نہ فیل ہونے کا خوف لاحق ہے نہ پاس ہونے کی خوشی۔ نہ انعام واکرام نہ تادیب وسزا یقینا اس درس گاہ کا تصور ہی مضحکہ خیز ثابت ہوگا۔ اگر عالم امکان میں کسی ایسے ادارہ کا وجود بھی ہو تو یقینا بانیٔ ادارہ کی بے عقلی و بے شعوری خود بخود ثابت ہوجائے گی۔ اس مختصر سی مثال کو اگر انلارج (Enlarge) کر کے کون ومکان کی وسعتوں پر غور کیا جائے یہاں تمام نعمتیں، لذتیں، عنایتیں، لطافتیں ایک سر پھرے انسان کے لئے وقف ہیں۔ یہ اشرف مخلوق جس طرح چاہئے دنیا کی لذتوں سے بہرہ مند ہوجائے کوئی اس کا ہاتھ روکنے والا نہیں، فضاؤں وخلاؤں سے گذر جائے اس کے پائے فکر میں کوئی بیڑی ڈالنے والا نہیں۔ جس چیز کو چاہئے قبضہ میں کرے جس پر چاہے تصرف کرے۔ قدرت کا چہیتا، فطرت کا پروردہ عالم اسباب کی ہر چیز کو الٹ پلٹ کر رہا ہے لیکن اس تصور کے ساتھ کہ ''**بابر بکوش عیش کہ عالم دوبارہ نیست**'' بس آج ہی آج ہے۔ فردا غیر محسوس وغیر معلوم نہ کوئی کل ہے جس کے خوف سے بے کلی ہو نہ آخرت ہے جو جام نشاط ہاتھ سے چھوٹے، نہ حساب ہے نہ کتاب نہ ثواب ہو نہ عذاب، نہ نگرانی نہ نگہبانی۔ یہ تمام لذتیں یہ بے حساب عنایتیں بس ایک حادثہ کے بے پناہ جودوکرم کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہیں............ اب اگر مثال مذکورہ کا ایک نقطہ ثبوت جنون ہے تو پھر اس مفروضہ کا پورا دفتر غرق مئے ناب اولیٰ کے مرادف ہے۔

کائنات کی بے حد وحساب نعمتیں اور ان نعمتوں پر انسان کی عقل کو پورا پورا حق تصرف یہ امر دلیل ہے کہ کوئی عاقل ودانا خالق اس سے ضرور باز پرس کرے گا۔ اگر آخرت کا تصور وتیقّن اس سے دور کردیا جائے تو اس سیماب ذہن کی ہر تعمیر تخریب نظر آئے گی۔ ایٹم کی تحقیق ہیروشما کی بربادی ثابت ہوگی خلانوردی غیر ممالک کے راز سربستہ بالا بالا ہی چرا لئے جائیں گے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوسکے گی اور دفعتاً کارگاہوں، بندرگاہوں، دانشگاہوں اور شہریوں پر فضا کے بالاخانے سے ''ایٹم باری'' کے مناظر نظر آئیں گے۔

عقل گواہ ہے کہ اگر اس انسان کو آخرت سے نہ ڈرایا گیا تو ہر آدمی ایک دوسرے سے ڈر ڈر کر مرجائے گا۔ اور خوف کے ردعمل میں اپنی بربادیوں کا زیادہ سے زیادہ سامان اکٹھا کرتا جائے گا۔ پھر کون جانے کہ کب کسی شدید سیاستداں یا سائنسداں کے ہاتھ سے حماقت کی چنگاری چھوٹ جائے اور بارود کے ڈھیر بھک سے اڑ جائیں۔ اس

لئے عقلاً اور نتیجتاً انسان کے لئے آخرت کا وجود ضروری ہے جہاں احتساب کا خوف انعام کا لالچ اس کی تحقیق کو مائل بہ تخریب نہ ہونے دے۔ کسی عادل کے انصاف کا تصور، جزا وسزا کا تعین عالم رنگ وبو کے نظام امن کا امین ہے۔

لیکن منطق سے آخرت کا نتیجہ نکالا تو جا سکتا ہے لیکن حضرت انسان کو یقین دلانا بڑا مشکل ہے۔ چونکہ منطق وفلسفہ سے مد مقابل چپ تو ہوسکتا ہے لیکن دل جبھی مانتا ہے جو بات مشاہدہ میں آچکی ہو۔ پوری بحث کا ماحصل بس یہ ہوا کہ انسان کو مذہب کی ضرورت ہے، مذہب کی بنیاد آخرت کے تصور پر ہے، آخرت کا تصور، تیقّن چاہتا ہے یقین کو مشاہدہ درکار ہے۔ اور شاہد کو شاہد عینی ہونا چاہئے۔ اب آدمی کے لئے آخرت کے عینی شاہد اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتے ہیں کہ آدم نے جنت سے دنیا میں آکر بتا دیا کہ جنت کا وجود ہے۔ (یعنی یہ تصور غالب نہ ہو کہ دل کو بہلانے کے لئے جنت کا تصور گڑھا ہے۔ بالکل جنت ہے حقیقت میں، وہ جنت سے آتا کیوں) اور خاتم نے شب معراج میں جا کر بتا دیا کہ اگر جنت حقیقتاً نہ ہوتی تو جنت میں جاتا کیوں۔ لیکن یقین کی دیواروں کو دیکھ کر شک کے زلزلے پیدا کرنا تو انسان کی دلچسپی ہے۔ مشکل یہ آپڑی ہے کہ جنت کے دو عینی شاہد دونوں معصوم ہیں، دونوں نبی ہیں اس لئے یہ سوچا جاسکتا تھا کہ جنت کا اگر وجود بھی ہے تو یہ نعمت عظیم صرف انبیاء ومرسلینؑ کے لئے مختص ہے اب ضرورت تھی کہ کوئی غیر معصوم وجود ہو جو جنت کا عینی شاہد بن جائے لیکن مشکل یہ تھی کہ غیر معصوم میں بھی نسل وعمر کے طبقات پائے جاتے ہیں۔ کوئی جوان گواہ بنے تو ضعیفوں کو شک، بوڑھا گواہ بنے تو جوان مشکوک، بچے دیکھیں تو جوان کو شک۔ پھر سیاہ تاب دیکھے تو سفید فام کو یقین نہ آئے، حسین دیکھے تو سیاہ فام کو بے چینی آقا دیکھے تو غلام مشکوک، غلام شاہد ہو تو آقا منکر، اب کوئی ایسی جگہ ہو جہاں زندگی کا ہر نمائندہ موجود ہو، جہاں ہر رنگ وروپ آخرت کا عینی شاہد بن جائے، جہاں آقا وغلام کی نگاہیں یکساں جنت کو دیکھیں۔ جہاں سیاہ وسفید رنگ جنت کے نظاروں میں حائل نہ ہو سکے۔ کربلا...... انسانیت کے لئے آخرت کے تیقّن کی آخری سرمایہ گاہ ہے، جہاں ہر فرد بلا امتیاز، معصوم وغیر معصوم، آقا وغلام، سیاہ وسفید، پست وبلند جنت کا عینی شاہد نظر آتا ہے۔

حسینی خیمہ کی وسعت میں، بہتر تشنہ لب خبری تقریر امام سننے کے لئے بے چین ہیں سانس روکے ہوئے، ہمہ تن گوش، مشتاق نگاہیں، لبہائے امام پر مرکوز ہیں۔ شمع کی سنجیدہ روشنی چہروں کے مطمئن خدوخال کا جائزہ لے رہی ہے۔ لب ہلے، دل دھڑکے، سماع نواز الفاظ نے خون کو کچھ اور تیز کر دیا۔

میرے جاں فروشو! رات کی مہلت سے فائدہ اٹھاؤ شب کے اندھیرے کی ردا اوڑھ کر نکل جاؤ، اور جان بچا لو یزید صرف میری جان کا دشمن ہے۔ تم سے کوئی یزیدی تعرض نہ کرے گا۔

کسی بزدل سردار کے ایسے جملے کمزور دل فوج کے پیروں میں حرکت پیدا کر سکتے تھے لیکن فرزند حیدرؑ کے یہ جملے وفا شعار جیالے سپاہیوں کے لئے ایک معمہ بن گئے۔ خیموں کی جو حرکت اب تک طبیعی تھی ساکت وجامد بن کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن چکی تھی۔

امام نے الفاظ بدلے......اگر آخرت کے خوف سے راہ

فرار اختیار کرنے میں تردد ہے تو ہم بہ حیثیت امام تمہاری آخرت کے تحفظ کا یقین دلاتے ہیں۔ تم ہمیں چھوڑ کر چلے جاؤ۔

لیکن عزم واستحکام کی آہنی چٹانوں کو امام مظلوم کی پیشکش مائل بہ فرار نہ کرسکی۔

شاید تمہیں ہم سے کئے ہوئے وعدہ نصرت واظہار بیعت کا خیال ستا رہا ہو تو لو ہم اپنی بیعت اٹھا رہے ہیں جاؤ جان بچا کر چلے جاؤ۔

اب بھی جیالوں نے اس حیات کو قبول نہ کیا جو مرکز حیات کے قدموں سے دور کردے۔ کتنا فرق تھا سیاست شام اور حکمت عصمت میں۔ یزید بیعت کے لئے زندگیاں لوٹ رہا تھا اور حسینؑ بیعت اٹھا کر زندگیاں لوٹا رہے ہیں۔

معصوم امام نے پھر دہرایا:

اگر سماج میں بے عزتی کا خوف تمہیں جانے سے روکے ہوئے ہے تو جاؤ ہمارے اہلبیت میں سے جو جانا چاہے اسے اپنے ساتھ لے جاؤ۔

لیکن یہ پیش کش بھی جوانمردوں کو قابل قبول نہ تھی۔

امام نے الفاظ بدلے۔ شاید ایک دوسرے کے چہرے کا لحاظ زنجیر پا بن گیا ہے تو ہم شمع گل کئے دیتے ہیں۔ تاریکی میں نکل جاؤ اور زندگی بچالو۔

شمع گل ہوگئی۔ اب اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ لیکن اب چاروں طرف سے سسکیوں کے چراغ جلنے لگے۔ رخ امام کے احترام میں جو آنسو رکے ہوئے تھے تاریکی نے وہ بند توڑ دیا۔ صابر کے شیروں میں کہرام مچا تھا۔ دفعتاً تاریک گوشہ سے ایک آواز بلند ہوئی۔ مولا کب تک آزمایئے گا۔ آقا اجازت دیجئے کہ اس تاریکی میں اپنی شمشیروں سے اپنے سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں ڈال دیں۔

امتحان کا وقت گذر چکا تھا۔ فرزند نور نے پھر شمع جلا دی۔ دنیا کی خوش نصیب شمع جو گل ہوگئی مگر پروانے نہیں اڑے۔ شمع کی روشنی میں بھیگے ہوئے چہرے۔ تشنہ لبوں کے کامیاب چہروں پر فطرت کی یہ عطرپاشی تھی جس کی نمی سے عزم واستقلال وہمت وشجاعت واطاعت وفرمانبرداری کی آئین ضبط تحریر میں آتی ہیں۔

اب امام کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ فرط محبت سے ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں، مناجات الٰہی کے لئے امام کے خشک ہونٹ ہلے۔ عجیب اثر انگیز ماحول تھا۔

معبود جیسے اصحاب تو نے مجھے عطا کئے میرے جد کو ایسے صحابہ نہ مل سکے میرے بابا کو ایسے ساتھی نصیب نہ ہوئے۔ میرے بھائی کو ایسے جاں نثار ہاتھ نہ آئے۔ میرے پیاسو آؤ اپنے امام کے سینے سے لگ جاؤ۔ صبر کے دریا سمندر سے ملنے لگے۔ ہر ایک گلے ملا۔ معانقہ کے بعد ہر ایک کے سامنے مولا کی دو انگلیاں کشادہ ہوجاتی ہیں۔

لو حبیب اپنی جنگ دیکھ لو۔

حبیب کی بوڑھی آنکھیں جنت کی شباب آور فضا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ سعید شباب جنت کے نظارے کررہا ہے۔ جون کی سیاہ تابی جنت کے حسن عریاں کی شاہد عینی ہے۔ زبیر وہلال آتے ہیں اور اپنی اپنی جنت کو مادی نگاہوں سے دیکھ کر حیراں وشاداں ہیں۔

ارض کربلا پر یہ جنت کے عینی شاہد نہ ہوتے تو اسلام کو ایسے گواہ کہاں سے ملتے جن کی دوربینی جنت کی حقیقت کو بے نقاب کرگئی۔

❁❁❁